# حرفِ اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## از ربا آخر چہ می زاید؟ فتن!

اسلام کے بارے میں یہ بات بلا جھجک اور بغیر کسی تکلف کے کہی جاسکتی ہے کہ اس کی تعلیمات انسانی زندگی کے ہر گوشے پر محیط ہیں۔ اسی طرح اس معاملے میں بھی کسی قسم کا شک و شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہمہ گیرا کائی ہے۔ یعنی اسلام کے ایمانی اور اعتقادی امور کا انفرادی و اجتماعی اعمال وافعال سے ایسا ہی تعلق ہے جیسا انسانی جسم کا جان اور روح سے ہے۔ اسی طرح کا معاملہ انفرادی اور اجتماعی معاملات اور اجتماعیت کے مختلف گوشوں کا آپس میں بھی ہے۔ معاشی امور کے ضمن میں جو احکام دیئے گئے ہیں ان کا ایمانیات سے تعلق تو ہے ہی، سماجی و معاشرتی مقاصد سے بھی گہرا ربط و تعلق ہے۔ ربا یعنی سود اس کی بہترین مثال ہے۔ بظاہر یہ ایک معاشی لین دین کا معاملہ ہے، لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اعتقادی سطح پر یہ اللہ پر ایمان وتوکل کا براہِ راست ناقض ہے۔ انسانی جان کی تیرگی اور قلب و روح کی قساوت کی علامت ہے..... ''از ربا جاں تیرہ دل چوں خشت و سنگ!'' اور بین الانسانی معاشرتی اقدار کے لئے مہیب عفریت کی مانند ہے..... ''آدمی درندہ بے دندان و چنگ!'' شاید اسی بنا پر فرمایا ہے نبی آخر الزماں ﷺ نے کہ جس قوم میں (اللہ پر ایمان کے دعوے کے باوجود) رِبا کے معاملات غلبہ پالیں' اُس قوم کو غربت وافلاس کے عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ حدیث میں بیان کردہ اس وعید کو جان لینے کے بعد اس حقیقت کو سمجھ لینا چنداں مشکل نہیں رہتا کہ ہمارے ملک میں مبینہ طور پر بیرونی سطح پر کشکول شکنی کے باوجود اور زرِ مبادلہ کے ذخائر میں ''ریکارڈ'' اضافے کے علی الرغم غربت میں روز افزوں اضافے اور عام آدمی کی معاشی پریشانیوں میں ''آف دی ریکارڈ'' ترقی کا اصل سبب کیا ہے۔

مذکرہ بالا حقیقت کے پیش نظر کس قدر قابل افسوس بات ہے کہ آج ستاون برس گذرنے کے بعد بھی صورت حال یہ ہے کہ اسلام کے نام پر حاصل کیا جانے والا ملک' اسلامی جمہوریہ پاکستان' اس اُمّ الخبائث یعنی سود کے حوالے سے اُسی مقام پر کھڑا ہے جہاں ستاون برس پہلے تھا..... بلکہ بعض حوالوں سے ترقی معکوس کا شکار ہے۔ قائداعظم نے ۱۹۴۸ء میں سٹیٹ بنک کی عمارت کے افتتاح کے موقع پر واشگاف الفاظ میں وہ حقیقت بیان کر دی تھی جو مذکورہ بالا

حدیث میں رسالت مآب ﷺ نے چودہ سو سال پہلے منکشف کی تھی۔ قائداعظم نے فرمایا تھا کہ مغرب کے سود پر مبنی معاشی نظام نے انسانیت کو سوائے پسماندگی اور محرومی کے کچھ نہیں دیا۔ انسانی مسائل کم ہونے کے بجائے زیادہ سے زیادہ کی جانب گامزن ہیں۔ اپنی اسی تاریخی تقریر میں قائداعظمؒ نے ماہرین معاشیات کو اسلامی اصولوں پر مبنی نظام وضع کرنے کا ٹاسک دیا تھا' تاکہ ایک حقیقی فلاحی اسلامی ریاست کے تقاضے پورے کئے جاسکیں۔

گذشتہ ستاون برس کے دوران معیشت کو سود سے پاک کرنے کے ضمن میں کئی کوششیں بھی ہوئی ہیں۔ صرف چند کا اشارۃً ذکر مفید رہے گا۔ ۱۹۶۹ء میں اسلامی آئیڈیالوجی کونسل نے فیصلہ دیا کہ بینک انٹرسٹ ربا ہے' لہٰذا اسے ملکی معیشت سے ''دیس نکالا'' دیا جائے۔ پھر اسی کونسل نے ۱۹۸۰ء میں بلاسود نظام معیشت پر تفصیلی رپورٹ مرتب کر کے حکومتِ وقت کو پیش کی۔ بعدازاں ۱۹۸۴ء میں مارک اپ فائنانسنگ پر تنبیہی رپورٹ جاری کر کے کونسل نے اپنی ہی سابقہ رپورٹ کی بعض کمزوریوں کا ازالہ کر دیا۔ اس کے بعد ۱۹۹۱ء میں فیڈرل شریعت کورٹ کے سہ رکنی بینچ نے طویل سماعت کے بعد یہ تاریخی فیصلہ جاری کیا کہ بینک انٹرسٹ ربا ہونے کی بنا پر اس لائق ہے کہ اس سے متعلقہ قوانین کو قانون کی کتابوں سے خارج کیا جائے اور جون ۱۹۹۲ء تک متبادل قانون فراہم کر کے ان کے مطابق معاملات کو استوار کیا جائے۔ بجائے اس فیصلے پر خلوص سے عملدرآمد کرنے کے' مفاد پرستوں کے ایک گروہ نے اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کر دی اور یوں معاملے کو طویل مدت کے لئے التواء میں ڈال دیا گیا۔ ۱۹۹۲ء میں ہی کمیشن فار اسلامائزیشن آف اکانومی نے بھی غیرسودی نظامِ معیشت پر اپنی تفصیلی رپورٹ کابینہ کو پیش کر کے حکومت وقت پر اتمامِ حجت کر دی۔

۱۹۹۷ء میں اس وقت کے وزیراعظم نے انجمن خدام القرآن کے صدر مؤسس جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے ایک نجی ملاقات میں وعدہ کیا کہ غیرسودی نظام معیشت پر مثبت پیش رفت کے ضمن میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا جائے گا۔ اس دوران انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی کے پلیٹ فارم سے مظاہروں' سیمینارز اور مراسلاتی مہم کے ذریعے انسدادِ سود کے حق میں ایک بھرپور مہم بھی چلائی گئی۔ لیکن کافی مدت گذار دینے کے باوجود حکومتی سطح پر کسی مثبت پیش رفت کے آثار نظر نہیں آئے۔ بالآخر ۱۹۹۹ء میں سپریم کورٹ نے اس کیس کی سماعت کے لئے پانچ رکنی شریعت اپیلٹ بینچ تشکیل دیا اور ایک مرتبہ پھر تمام امور پر بالکل ابتداء سے بحث کا آغاز کیا۔ تقریباً چار پانچ ماہ پر محیط سماعتی نشستوں کے بعد فاضل عدالت نے منجملہ انہی فیصلوں کا اعادہ کیا جو آٹھ برس قبل فیڈرل شریعت کورٹ نے دیئے تھے۔ سپریم کورٹ کے ایک ہزار سے

زائد صفحات پر مشتمل اس فیصلے میں حکومتی اداروں کو پابند کیا گیا تھا کہ جون ۲۰۰۱ء تک غیر سودی نظام کے جملہ تقاضے پورے کر کے معاملات کو اسلامی طریقوں کے مطابق استوار کیا جائے۔ایک آزاد عدلیہ کے اس فیصلے پر قوم نے دل سے اللہ کا شکر ادا کیا' اس لئے کہ اب امکان پیدا ہو گیا تھا کہ اللہ کے خلاف چھیڑی گئی جنگ سے رُستگاری کے حالات فراہم ہو سکیں۔

یہاں ایک مرتبہ پھر ہماری قومی اور اجتماعی بدقسمتی نے سر اٹھایا۔کورٹ کے اس فیصلے کی شکل میں اللہ کی طرف سے اتمامِ حجت قائم ہو جانے کے باوصف حکومتِ وقت نے یو بی ایل کے کاندھوں پر رکھ کر یہ بندوق چلائی کہ جب کورٹ کے فیصلے کے مطابق مدتِ مہلت نزدیک آئی تو معلوم ہو کہ اس فیصلے کے خلاف کہیں 'عالمِ بالا ہی بالا' میں ایک ریویو پٹیشن سپریم کورٹ میں دائر کی جا چکی ہے۔ ریویو پٹیشن کی ساعت کا وقت آیا تو کیفیت یہ تھی کہ سابقہ بینچ کے ججز میں سے تین ججز پی سی او کے تحت حلف نہ اٹھانے کی بنا پر یا کسی دوسرے سبب سے ریٹائر ہو چکے تھے۔جو دو باقی تھے ان میں سے ایک فاضل جج ۱۹۹۹ء کے فیصلے کے signatory ہونے کے باوجود اب بالکل مختلف انداز میں کورٹ کی نمائندگی کر رہے تھے۔بقیہ ججز بالکل نئے تھے......بہرحال اس موقع پر بینچ نے سابقہ فیصلے میں یہ تبدیلی کر دی کہ اب مدتِ مہلت (deadline) جون ۲۰۰۱ء نہیں بلکہ جون ۲۰۰۲ء شمار کی جائے گی۔گویا transformation کے لئے مزید ایک سال کی مہلت دے دی گئی۔

اللہ کے خلاف اعلان جنگ جاری رکھنے کی یہ مہلت بھی بنام خدا مکمل ہوئی تو ایک مرتبہ پھر کورٹ میں سٹیج سجایا گیا۔اب کی بار یہ تدبیر پہلے سے ہی کر لی گئی تھی کہ بینچ میں موجود وہ واحد جج جو عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ سابقہ فیصلوں کے 'شاہد' بھی تھے، انہیں بیک نوک قلم منصب منصفی سے ہٹا دیا گیا......نہ نو من تیل ہو گا نہ رادھا ناچے گی! قصہ مختصر' نوبت بایں جا رسید' کہ اب پی سی او پر حلف اُٹھائی ہوئی عدالت نے اپنے ہی سابقہ فیصلے کو کالعدم قرار دینے میں کوئی عار محسوس نہ کی اور یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ ۱۹۹۹ء والا فیصلہ عدل کے تقاضوں سے متجاوز تھا، لہٰذا کالعدم کیا جاتا ہے اور معاملہ شریعت کورٹ کی طرف لوٹایا جاتا ہے تاکہ وہ بھی اپنے ۱۹۹۱ء والے فیصلے پر نظر ثانی کر لے! اس فیصلے کا اور کوئی فائدہ ہو نہ ہو' ایک فائدہ ضرور ہے۔اور وہ یہ کہ علامہ اقبالؒ کے اس شعر کی صداقت کے لئے زندہ مثال ہاتھ آ جاتی ہے۔

''بندگی'' میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور ''آزادی'' میں بحر بیکراں ہے زندگی!

(باقی صفحہ 38 پر)